والدین کے ساتھ حسن سلوک☆
(اسلامی تعلیمات کی روشنی میں)

——————ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

انسان کا اپنے رشتہ داروں میں سب سے قریبی تعلق والدین سے ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اس دنیا میں اس کے وجود کا ذریعہ بنتے ہیں، بلکہ پیدائش کے بعد اسے پال پوس کر بڑا کرتے اور مکروہاتِ زمانہ سے بچاتے ہوئے زندگی کی دوڑ دھوپ میں شامل ہونے کے قابل بناتے ہیں۔ اسی لیے قرآن کریم میں والدین کا تذکرہ رشتہ داروں سے قبل کیا گیا ہے اور ان کی خصوصی اہمیت کی وجہ سے ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم علیحدہ سے دیا گیا ہے:

وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوا بِهٖ شَيۡـئًا وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّبِذِى الۡقُرۡبٰى ......۔ (النساء:٣٦)

اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ......۔

قرآن کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل سے جب مکمل اطاعت کا عہد لیا گیا تھا تو انھیں بھی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی تھی:

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ لَا تَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ۔ (البقرۃ:۸۳)

یاد کرو، اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا......۔

☆ تسلسل کے لیے ملاحظہ ہو مقالہ 'بوڑھوں کے عافیت کدے اور اسلام'، سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، اپریل- جون ۲۰۱۲ء

درج بالا دونوں آیتوں میں سب سے پہلے اللہ واحد کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کے بعد دوسرے رشتہ داروں اور سماج کے دیگر افراد کے ساتھ حسن سلوک کرنے کو کہا گیا ہے۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید

سورۂ بنی اسرائیل میں یہی بات زیادہ زوردار انداز میں کہی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَضٰی رَبُّکَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ إِحْسَاناً۔ (بنی اسرائیل:۲۳)

تیرے رب نے فیصلہ کردیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اس کی، اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

اس آیت میں بلاغت کے متعدد پہلو پوشیدہ ہیں:

آیت کا آغاز لفظ 'قضیٰ' سے کیا گیا ہے۔ اس میں کسی چیز کے بہت تاکید کے ساتھ حکم دینے کے معنیٰ پائے جاتے ہیں۔ علامہ زمخشریؒ نے لکھا ہے:

(وَقَضٰی رَبُّکَ) وامر امرا مقطوعا بہ۔[1]

وَقَضٰی رَبُّکَ کا مطلب یہ ہے کہ تیرے رب نے قطعی طور سے اس چیز کا حکم دیا ہے۔

قرطبیؒ فرماتے ہیں:

قضی ای امر والزم واوجب۔[2]

قضیٰ کا مطلب ہے کہ اس کا حکم دیا، اس کو لازم کیا اور اس کو واجب قرار دیا۔

اس آیت میں پہلے اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی عبادت کا حکم دیا ہے، پھر والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے۔ ان دونوں حکموں کے درمیان متعدد مناسبتیں پائی جاتی ہیں۔ پہلی مناسبت یہ ہے کہ انسان کے وجود کا سبب حقیقی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تخلیق کی ہے اور سبب ظاہری یہ ہے کہ والدین اس کا ذریعہ بنے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے سببِ

حقیقی کی تعظیم کا، پھر سببِ ظاہری کی تعظیم کا حکم دیا ہے۔ دوسری مناسبت یہ ہے کہ محسن و منعم کی شکر گزاری واجب ہوتی ہے اور منعم حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، جو خالق ہے اور مخلوق میں سے سب سے بڑا احسان انسان پر اس کے والدین کا ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے خالق کے احسان پر شکر بجالانے کا حکم دیا، پھر والدین کے احسان پر ان کی شکر گزاری کی تلقین کی۔[3]

اس آیت میں اور خاص طور پر اس کے الفاظ 'وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَاناً' میں متعدد پہلوؤں سے بڑی بلاغت اور زور بیان پایا جاتا ہے:

۱- اس سے پہلے کی آیت میں اخروی سعادت کا تذکرہ ہے اور اس آیت میں ان اعمال کا ذکر کیا گیا ہے جو اخروی سعادت سے ہم کنار کرنے والے ہیں۔ ان میں سے ایک والدین کے ساتھ حسن سلوک ہے۔

۲- آیت میں پہلے توحید اور اطاعتِ الٰہی کا بیان ہے، اس کے فوراً بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کا درجہ کتنا بلند ہے۔

۳- لفظ 'والدین' کو لفظ 'احساناً' سے پہلے لانے سے اس میں تاکید اور زور پیدا ہو گیا ہے۔

۴- لفظ 'احساناً' کو نکرہ لایا گیا ہے، جو عظمت پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اللہ نے تاکیدی حکم دیا ہے کہ والدین کے ساتھ بہت زیادہ اور کامل طریقے سے حسن سلوک کرو۔ کیوں کہ جس طرح ان دونوں نے تمہارے ساتھ احسانِ عظیم کیا ہے اسی طرح تمہارا بھی ان کے ساتھ معاملہ ہونا چاہیے۔ اس کے باوجود تم ان کا بدلہ پورا پورا نہیں چکا سکتے، اس لیے کہ ان کا احسان تمھارے ساتھ پہلے ہوا ہے اور مثل مشہور ہے کہ پہلے احسان کرنے والے کا بدلہ نہیں چکایا جا سکتا۔[4]

قرآن کریم میں دیگر مقامات پر بھی والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ سورۂ لقمان میں ہے:

وَوَصَّیْنَا الْاِنسَانَ بِوَالِدَیْہِ حَمَلَتْہُ أُمُّہُ وَھْناً عَلَی وَھْنٍ وَفِصَالُہُ فِیْ عَامَیْنِ أَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ إِلَیَّ الْمَصِیْرُ۔ (لقمان:۱۴)

اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے۔ (اسی لیے ہم نے اس کو نصیحت کی کہ) میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجالا۔ میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَوَصَّیْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَیْہِ إِحْسَاناً حَمَلَتْہُ أُمُّہُ کُرْھاً وَوَضَعَتْہُ کُرْھاً وَحَمْلُہُ وَفِصَالُہُ ثَلَاثُونَ شَھْراً۔ (الاحقاف:۱۵)

ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرے۔ اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور مشقت اٹھا کر ہی اس کو جنا، اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے۔

ان آیات میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے، جس میں ماں باپ دونوں شامل ہیں، اگر چہ ماں کی تکلیفوں اور مشقتوں کا تذکرہ تفصیل سے کیا گیا ہے۔ وہ دورانِ حمل بھی مشقت جھیلتی ہے، وضع حمل کے دوران بھی شدید اذیت سے دوچار ہوتی ہے اور پھر پیدائش کے بعد عرصہ تک دودھ پلاتی ہے۔ اسی لیے بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں کا درجہ باپ کے مقابلے میں تین گنا زیادہ ہے۔

ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپؐ نے جواب دیا: تمھاری ماں۔ یہ سوال انھوں نے تین بار دہرایا۔ آپؐ نے ہر بار یہی جواب دیا۔ یہی سوال انھوں نے چوتھی بار کیا تو آپؐ نے فرمایا، تمھارا باپ۔[۵]

بوڑھے والدین کے ساتھ حسنِ معاملہ کا خصوصی حکم

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا یہ حکم عام ہے۔ لیکن جب وہ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو ان کے حقوق ادا کرنے، ان کی دیکھ بھال کرنے اور ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آنے کا خصوصی حکم دیا گیا ہے۔ بڑھاپا اپنے ساتھ متعدد عوارض لے کر آتا ہے۔ انسان کے

© rasailojaraid.com

جسمانی قویٰ کم زور ہوجاتے ہیں۔ وہ اپنے روزمرہ کے کاموں کی انجام دہی میں دشواری محسوس کرتا ہے۔ بسا اوقات مزاج میں چڑچڑاپن پیدا ہوجاتا ہے، چنانچہ طبیعت کے خلاف کوئی معمولی کام ہوجائے تو سخت ناگواری ہوتی ہے اور غصہ آجاتا ہے۔ ایسے موقع پر اولاد کی سعادت مندی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ان کے دست و بازو بنیں، انھیں سہارا دیں، ان کے کام انجام دیں، ان کی ضروریات پوری کریں، ان کی تنک مزاجی کو برداشت کریں۔ احادیث میں بوڑھے والدین کی خدمت کا درجہ جہاد فی سبیل اللہ سے بڑھ کر قرار دیا گیا ہے۔

ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میں جہاد کے لیے نکلنا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: کیا تمھارے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے جواب دیا: ہاں۔ آپؐ نے فرمایا: فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ (ان کے ساتھ رہ کر جہاد کرو)[۶] ساتھ رہ کر جہاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی خدمت کرو۔

ایک دوسری روایت میں، جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے، یہ مذکور ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: میں اللہ تعالیٰ سے اجر کی طلب میں آپ کے ہاتھ پر ہجرت اور جہاد کی بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تمھارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں دونوں زندہ ہیں؟ آپؐ نے اس شخص سے پھر سوال کیا: کیا تم اللہ سے اجر کے طالب ہو؟ اس نے جواب دیا: ہاں۔ آپؐ نے فرمایا:

فارجع الی والدیک فاحسن صحبتھما۔[۷]	تب اپنے والدین کے پاس واپس جاؤ اور ان کی اچھی طرح خدمت کرو۔

جس شخص کو اپنے بوڑھے والدین کی خدمت کی توفیق ملی ہو اسے جنت کی بشارت دی گئی ہے اور جس شخص نے انھیں بڑھاپے میں پایا ہو، پھر بھی ان کی خدمت نہ کی ہو اسے جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا: رغم انفہ (اس شخص کی ناک غبار آلود ہوئی، یعنی وہ ناکام و نامراد ہوا) حاضرین نے دریافت کیا: کون؟ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپؐ نے جواب دیا:

© rasaljaraid.com

من ادرک ابویه عند الکبر او احدهما ثم لم یدخل الجنة۔۸

جس نے اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا، پھر بھی جنت میں داخل نہ ہوسکا۔

الادب المفرد میں اس حدیث کا آخری ٹکڑا 'فدخل النار' کے الفاظ سے ہے، یعنی پھر بھی جہنم میں چلا گیا۔۹

قرآن کریم کا دل کش بیان

بوڑھے والدین کے ساتھ جس طرح کا رویّہ مطلوب ہے اور ان کے ساتھ جس طرح پیش آنا چاہیے، اس کی بڑی موثر تفصیل قرآن کریم میں ایک جگہ ان الفاظ میں کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلاَهُمَا فَلاَ تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلاَ تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيماً. وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيراً۔ (بنی اسرائیل:۲۳-۲۴)

اگر تمھارے پاس ان میں سے کوئی ایک، یا دونوں، بوڑھے ہوکر رہیں تو انھیں اف تک نہ کہو، نہ انھیں جھڑک کر جواب دو، بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ ''پروردگار، ان پر رحم فرما جس طرح انھوں نے رحمت وشفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا''

اس آیت کی تشریح میں علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے:

''یہاں خاص طور پر بڑھاپے کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس لیے کہ یہ ایسی حالت ہوتی ہے جس میں والدین اپنے بیٹے کی جانب سے حسن سلوک کے زیادہ ضرورت مند ہوتے ہیں، کیوں کہ کم زوری اور بڑھاپے کی وجہ سے ان کے حالات بدل جاتے ہیں۔ اس لیے اس مرحلہ میں ان کی دیکھ بھال کی پہلے کے مقابلے میں زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ اس عمر میں ماں باپ کا انحصار پورے طور پر اپنے بیٹے پر ہوتا ہے، وہ ضرورت مند ہوتے ہیں کہ ان کا بیٹا ان کے

© rasailojaraid.com

بڑھاپے میں اسی طرح ان کی دیکھ بھال کرے جس طرح اس کے بچپن میں انھوں نے اس کی دیکھ بھال کی تھی۔ آیت میں بڑھاپے کا ذکر خاص طور پر اس وجہ سے بھی کیا گیا ہے، کہ آدمی طویل عرصہ تک کسی کے ساتھ رہتا ہے تو عموماً اس کے وجود کو بوجھ سمجھنے لگتا ہے، اس سے اکتا جاتا ہے اور ذرا ذرا سی بات پر ناگواری ظاہر کرنے لگتا ہے۔ پھر اگر معاملہ بیٹے اور اس کے ماں باپ کا ہو اور بیٹا ایسا ہو جو ناز نخرے میں پلا ہو اور اس کی دین داری میں بھی کمی ہو تو وہ مختلف معاملات میں اپنے ماں باپ پر غیظ و غضب کا اظہار کرنے لگتا ہے، اس کی رگیں پھول جاتی ہیں اور ان کے ساتھ برتاؤ میں وہ حدِّ ادب کو پھلانگ جاتا ہے‘‘۔[۱۰]

علامہ زمخشریؒ نے آیت کی بلاغت اور اس کے مشتملات کی معنویت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

’’اس آیت میں لفظ ’عندک‘ (تمھارے پاس رہیں) کے استعمال میں بڑی معنویت پائی جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بڑھاپے کی اس عمر کو پہنچ جائیں کہ اپنے روزمرہ کے کاموں کی انجام دہی ان کے بس میں نہ ہو، ان کا انحصار پورے طور پر اپنے بیٹے پر ہو جائے، اس کے علاوہ اور کوئی ان کی کفالت کرنے والا نہ ہو، وہ اس کے پاس، اس کے گھر میں اور اس کی کفالت میں ہوں، یہ صورت حال بسا اوقات بیٹے پر شاق گزرتی ہے۔ اور وہ بہ دقّت اسے برداشت کر پاتا اور اس پر صبر کر پاتا ہے۔ کبھی اسے ان کے ساتھ وہ کچھ کرنا پڑتا ہے جو وہ اس کے ساتھ اس کے بچپن میں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ بیٹے کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ معاملہ کرنے میں خوش اخلاقی، نرمی اور برداشت کا مظاہرہ کرے، یہاں تک کہ اگر کبھی ان کی جانب سے کسی ایسے فعل کا صدور ہو جائے جس سے اس کی طبیعت اِبا کرتی ہو یا ان کی کفالت سے وہ بار محسوس کرتا ہو تو بھی ان کے سامنے اس پر ادنیٰ سی ناگواری ظاہر نہ کرے۔‘‘[۱۱]

© rasailojaraid.com

مزید فرماتے ہیں:

''اللہ سبحانہ نے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا بہت تاکید کے ساتھ حکم دیا ہے۔ اس حکم میں کتنا زور پایا جاتا ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے اس کا تذکرہ اپنی عبادت کے حکم کے ساتھ کیا ہے۔ اور دونوں احکام ایک ساتھ دیے ہیں۔ پھر ان کے حسنِ معاملہ کے دائرہ کو اور تنگ کر دیا ہے، چنانچہ اگر ماں باپ کے کسی رویّہ یا فعل پر ناگواری کے اسباب ومحرکات موجود ہوں اور واقعی ایسے حالات پائے جائیں کہ صبر اور برداشت کا دامن ہاتھ سے چھوٹا جاتا ہو، تو بھی بیٹے کو ناگواری کا ایک لفظ منہ سے نکالنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے''۔[۱۲]

ماں باپ کو 'اف' نہ کہنے کا مطلب

بوڑھے ماں باپ کے تعلق سے آیتِ بالا میں پہلی بات یہ کہی گئی ہے کہ انھیں 'اف' نہ کہو۔ 'اف' سے مراد زبان سے کوئی ایسا لفظ نکالنا ہے جس سے ناگواری کا اظہار ہوتا ہو۔[۱۳] ماہر لغت اصمعی فرماتے ہیں:

'''افّ' اصلاً کان کے میل کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب کسی چیز سے گھن ظاہر کرنی ہو۔ پھر اس کا استعمال ہر اس موقع پر ہونے لگا جب کسی چیز پر ناپسندیدگی اور ناگواری کا اظہار کرنا ہو۔''[۱۴]

امام رازیؒ نے لکھا ہے:

'''اف نہ کہو' یہ ایک تعبیر ہے۔ اسے اس وقت اختیار کیا جاتا ہے جب اذیت پہنچانے والی اور ناگوار معمولی سی بات سے روکنا مقصود ہو۔ اس کے ذریعہ اذیت پہنچانے والی دیگر تمام باتوں اور کاموں سے روک دیا گیا ہے۔ یہ ادنیٰ کے ذریعہ اعلیٰ پر استدلال کے قبیل سے ہے۔ یہ کہہ کر گویا والدین کی انتہائی تعظیم اور ادب کا حکم دیا گیا ہے''[۱۵]

© rasailojaraid.com

بدزبانی کی ممانعت

اس آیت میں دوسری بات یہ کہی گئی :وَلاتَنھَرْھُمَا، یعنی والدین کوجھڑک کر جواب نہ دو۔علامہ زمخشری نے اس کی تشریح میں لکھا ہے:

(ولاتنھرھما) ولاتزجرھما عما یتعاطیانہ مما لایعجبک۔[۱۶]

ولاتنھرھما کا مطلب یہ ہے کہ اگر ماں باپ کوئی ایسا کام کریں جو تمھیں پسند نہ ہوتو ان کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ نہ کرو۔

امام رازیؒ نے لفظ 'نھر' کی یہ تشریح کی ہے:

اظھار المخالفة فی القول علی سبیل الردّ علیه و التکذیب له۔[۱۷]

اس کا مطلب ہے کسی بات پر مخالفت کا اظہار، کہ وہ کچھ کہیں تو اسے رد کردیا جائے اور انھیں جھٹلادیا جائے۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر نبیﷺ نے چند ایسے اشخاص کا ذکر کیا جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوٗر رہوں گے۔ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو اپنے ماں باپ کو برا بھلا کہے۔آپؐ نے فرمایا:

لعن الله من لعن والدیه۔[۱۸]

اللہ کی لعنت ہواس شخص پر جو اپنے والدین پر لعنت کرے۔

نرمی اورادب سے بات کرنے کا حکم

اس آیت میں والدین کے تعلق سے تیسرا حکم یہ دیا گیا کہ ان سے نرمی، محبت اور ادب کےساتھ بات کی جائے۔علامہ ابن کثیرؒ نے 'قولاً کریماً' کی یہ تشریح کی ہے:

(قولاً کریماً) لیّناً طیّباً حسناً بتأدب وتوقیر وتعظیم۔[۱۹]

قولاً کریما سے مراد یہ ہے کہ ان سے ادب، احترام اور تعظیم کے ساتھ نرم، اچھی اور عمدہ گفتگو کی جائے۔

مشہور تابعی حضرت سعید بن المسیبؒ نے اسے بڑے عمدہ طریقے سے سمجھایا ہے۔ ان کے ایک شاگرد نے ان سے عرض کیا: حضرت! قرآن میں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک

© rasailojaraid.com

کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے، سب کا مطلب میں نے سمجھ لیا ہے، لیکن 'وَقُلْ لَهُمَا قَوْلاً کَرِيْماً' سے اللہ تعالیٰ کی مراد کیا ہے؟ یہ نہیں سمجھ سکا ہوں۔ بہ راہ کرم اس کی وضاحت فرمادیجیے۔ انھوں نے جواب دیا: ''اس کا مطلب اس انداز سے بات کرنا ہے جس طرح ایک خطا کار غلام اپنے تندخو اور درشت مزاج آقا سے بات کرتا ہے''۔[۲۰]

غایت درجہ تعظیم اور احترام کی تاکید

چوتھی بات یہ کہی گئی کہ ان کے ساتھ رحمت و شفقت کا معاملہ کیا جائے، ان کا ہر ممکن خیال رکھا جائے، ان کی غایت درجہ تعظیم کی جائے، ان کے ساتھ احترام سے پیش آیا جائے اور ان کے سامنے تواضع اختیار کی جائے۔ اس کے لیے بڑی بلیغ تعبیر (وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ) اختیار کی گئی ہے۔ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں:

هذه استعارة فی الشفقة والرحمة بهما والتذلّل لهما تذلّل الرعيّة للامير والعبيد للسّادة۔[۲۱]	یہ استعارہ ہے اس بات کا کہ ان کے ساتھ شفقت اور رحم و کرم سے پیش آیا جائے اور ان کے سامنے اس طرح جھک کر رہا جائے جس طرح رعایا اپنے حکم راں کے ساتھ اور غلام اپنے آقا کے سامنے رہتے ہیں۔

اس آیت میں جو بلاغت پائی جاتی ہے اس کی وضاحت امام قفّال نے یوں کی ہے:

''اللہ تعالیٰ نے والدین کے سامنے انتہائی تواضع اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے لیے یہ تعبیر اختیار فرمائی کہ ''ان کے سامنے نرمی اور رحم کے پَر جھکا کر رکھو''۔ یہ استعارہ دو پہلوؤں سے ہے۔ اول یہ کہ پرندہ جب اپنے بچوں کو اپنے سے قریب رکھتا ہے تو انھیں اپنے پروں میں سمیٹ لیتا ہے۔ یہ حسنِ انتظام کا کنایہ ہے۔ گویا بیٹے سے کہا گیا کہ اپنے والدین کی کفالت کرو اور انھیں اپنے پاس رکھ کر اس طرح ان کی دیکھ بھال کرو جس طرح انھوں نے تمھارے بچپن میں تمھارا خیال رکھا تھا۔ دوم یہ کہ پرندہ جب اڑنے کا ارادہ کرتا ہے تو اپنے پَر پھیلا لیتا ہے اور جب اڑنا نہیں چاہتا تو اپنے پَر سمیٹے رہتا

© rasailojaraid.com

ہے۔ گویا پَر جھکا کر رکھنا تواضع اختیار کرنے سے کنایہ ہے‘‘۔۲۲؎

مکمل خدمت گزاری کی تلقین

پانچویں اور آخری بات یہ کہی گئی کہ والدین نے اپنے بیٹے کی، اس کے بچپن میں، پرورش و پرداخت میں جو تکلیفیں اٹھائی ہیں اور مشقتیں جھیلی ہیں، بیٹے کو انھیں یاد رکھنا چاہیے، اسے ان کا سراپا سپاس رہنا چاہیے اور ان کے لیے بارگاہ الٰہی میں دست بہ دعا رہنا چاہیے۔ علامہ قرطبیؒ نے آیت کے ٹکڑے (وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا) کی تشریح میں لکھا ہے:

> ’’اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ کریں اور ان کے لیے دعا کرتے رہیں۔ اس نے ہر بندے کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم اپنے ماں باپ کے ساتھ اسی طرح رحم دلی سے پیش آؤ جس طرح وہ تمھارے ساتھ پیش آئے تھے، اسی طرح ان کے ساتھ نرمی برتو جس طرح انھوں نے برتی تھی۔ تم اپنے بچپن میں گم نام اور محتاج تھے، انھوں نے تم کو خود پر ترجیح دی، راتوں میں جاگ جاگ کر تمھاری خدمت کی، خود بھوکے رہ کر تمھیں آسودہ کیا، خود ننگے رہ کر تمھیں کپڑے پہنائے۔ اب تم انھیں اس کا بدلہ اسی صورت میں دے سکتے ہو کہ جب وہ اپنے بڑھاپے میں اس حال کو پہنچ جائیں جس میں تم اپنے بچپن میں تھے تو تم ان کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرو جیسا انھوں نے تمھارے بچپن میں تمھارے ساتھ کیا تھا۔ اس کے باوجود انھیں سبقت کا شرف حاصل رہے گا‘‘۔۲۳؎

والدین کو خوش رکھنے کی کوشش کی جائے

حقوقِ والدین کے سلسلہ میں قرآن وحدیث میں جو تعلیمات مذکور ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ والدین کا ہر حکم بجالایا جائے اور کسی معاملہ میں ان کی مرضی کے خلاف کام نہ کیا جائے، خواہ ان کا حکم طبیعت پر کتنا ہی گراں کیوں نہ ہو اور ان کی مرضی کا کام کرنے میں کتنا ہی نقصان دکھائی دیتا ہو۔

© rasailojaraid.com

ایک موقع پر حضرت ابوالدرداءؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے نو باتوں کا حکم دیا ہے۔ان میں سے ایک بات یہ ہے:

واطع والدیک وان امراک ان تخرج من دنیاک فاخرج لھما۔[۲۴]

اپنے ماں باپ کا کہنا مانو، یہاں تک کہ اگر وہ تمھیں حکم دیں کہ تم اپنی دنیا سے نکل جاؤ تو ان کا کہنا مانتے ہوئے نکل جاؤ۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے چند ایسے اشخاص کا تذکرہ کیا جن کی طرف سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنی نگاہ پھیر لے گا اور وہ جنت میں داخلہ سے محروم ہوں گے۔ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو اپنے والدین کا نافرمان ہو۔[۲۵]

ایک مرتبہ آپؐ نے صحابہ کرام کی ایک مجلس میں ان سے فرمایا: کیا میں تمھیں 'اکبر الکبائر' (سب سے بڑے گناہوں) کے بارے میں نہ بتاؤں؟ پھر آپؐ نے جو چیزیں گنائیں ان میں سے ایک 'والدین کی نافرمانی' تھی۔[۲۶]

والدین کا کہنا نہ ماننے کی صرف اسی صورت میں اجازت ہے جب وہ کسی ایسے کام کا حکم دیں جو دینی وشرعی اعتبار سے ناجائز ہو۔ان کی وہ بات تو نہیں مانی جائے گی، لیکن دیگر معاملات میں ان کے ساتھ حسب سابق خوش گوار تعلق رکھنا اور اچھا برتاؤ کرنا لازمی ہوگا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِن جَاهَدَاکَ عَلىٰ أَن تُشْرِکَ بِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِیْ الدُّنْیَا مَعْرُوفاً۔ (لقمان:۱۵) [۲۷]

لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان اور دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ۔

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب مشہور صحابیِ رسول حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے اسلام قبول کرنے پر ان کی ماں نے سخت ناراضی ظاہر کی تھی اور ان سے کہا تھا کہ جب تک تم اس نئے دین کو چھوڑ نہیں دوگے میں نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی[۲۸]۔اس کے جواب میں کہا گیا کہ ان کی یہ بات تو نہیں مانی جائے گی، البتہ دنیاوی معاملات میں ان کے ساتھ حسن سلوک جاری

© rasaloijaraid.com

رکھنا ہے۔علامہ قرطبی نے اس کی تشریح میں لکھا ہے:

''یہ آیت دلیل ہے اس بات پر کہ اگر ماں باپ کافر ہوں تو بھی اگر وہ ضرورت مند ہوں تو ان کی مالی مدد کی جائے۔ان کے ساتھ نرمی سے بات کی جائے اور سہولت کے ساتھ انھیں اسلام کی دعوت دی جائے''۔۲۹

اولاد اگر والدین کی مرضی کے کام کرے گی اور ان کا کہنا مانے گی تو وہ خوش رہیں گے اور اگر وہ ان کی مخالفت کرے گی اور اس کے کام ان کی مرضی کے خلاف ہوں گے تو انہیں تکلیف اور رنج ہوگا۔اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ والدین کے خوش رہنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور ان کی ناراضی اللہ تعالیٰ کے غضب کا باعث بنتی ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

رضا الرب تبارک وتعالیٰ فی رضا الوالدین، وسخط الله تبارک وتعالیٰ فی سخط الوالدین۔۳۰

والدین کی رضا مندی میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور والدین کی ناراضی میں اللہ تعالیٰ کی ناراضی ہے۔

اسلام میں ہجرت اور جہاد دو ایسے اعمال ہیں جن کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔لیکن والدین کے حقوق کی ادائی سے بے پروا ہوکر اور ان کو ناراض کر کے ان کی انجام دہی کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں آپؐ سے ہجرت پر بیعت کرتا ہوں۔ جب آپؐ کو معلوم ہوا کہ اس کے والدین زندہ ہیں اور انھیں اس کی جدائی گوارا نہیں ہے، وہ آہ و بکا کر رہے ہیں تو آپؐ نے فرمایا:

ارجع الیھما واضحکھما کما ابکیتھما۔۳۱

ان کے پاس واپس جاؤ، اور جس طرح تم نے انھیں رلایا ہے، اسی طرح انھیں ہنساؤ۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے:

بکاء الوالدین من العقوق والکبائر۔۳۲

بیٹے کا ایسا رویّہ جس کی وجہ سے والدین رونے پر مجبور ہوجائیں، ان کی نافرمانی ہے اور اس کا شمار بڑے گناہوں میں ہوگا۔

© rasailojaraid.com

والدین کی معاشی ضروریات کی تکمیل

والدین کے حقوق کی ادائی اوران کے ساتھ حسنِ سلوک کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ان کی مالی ضروریات پوری کی جائیں اور انھیں محتاجی کی حالت میں نہ چھوڑ دیا جائے۔ عہد نبوی میں لوگوں نے دریافت کیا کہ وہ کیا خرچ کریں اور کس حد تک خرچ کریں؟ اس کے جواب میں مقدار متعین کرنے کے بجائے مدّاتِ صرف کا تذکرہ کردیا گیا اوران میں سرِفہرست والدین کو رکھا گیا:

يَسْـَٔـلُـونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتٰمٰى وَالْـمَسٰكِيْـنِ وَابْـنِ السَّبِيْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهِ عَلِيْمٌ۔(البقرۃ:۲۱۵)

لوگ پوچھتے ہیں: ہم کیا خرچ کریں؟ جواب دو کہ جو مال بھی تم خرچ کرو اپنے والدین پر، رشتے داروں پر، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو اور جو بھلائی بھی تم کرو گے، اللہ اس سے باخبر ہوگا۔

عموماً آدمی بیوی بچوں کی کفالت میں مصروف رہتا ہے۔اس کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ والدین پرخرچ کرنے سے اس کا مال کم اور ہاتھ تنگ ہوجائے گا،اس لیے والدین کے ساتھ حسن سلوک اوران کی کفالت کرنے والے کی روزی میں کشادگی کی خوش خبری دی گئی ہے:

حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا:

من سرّہ ان یُمَدّلہ فی عمرہ ویُزاد فی رزقہ فلیبرّ والدیہ، ولیصل رحمہ۔[۳۳]

جوشخص چاہتا ہوکہ اس کی عمر میں اضافہ ہو اور اس کا رزق بڑھا دیا جائے اسے چاہیے کہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے باپ کی شکایت کی: اے اللہ کے رسول، میرے پاس کچھ مال ہے، لیکن میرے بچے بھی ہیں، میرا باپ میرا مال خرچ کرنا چاہتا ہے۔ میں کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا:

انت و مالک لابیک۔[۳۴]

تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے۔

دوسری روایت میں اس کے ساتھ یہ اضافہ بھی ہے کہ آپؐ نے باپ کو مخاطب کرکے فرمایا:

ان اولادکم من اطیب کسبکم ، کلوا من کسب اولادکم۔[۳۵]

تمھاری اولاد تمھاری اچھی کمائی میں سے ہے۔تم اپنی اولاد کی کمائی میں سے کھا سکتے ہو۔

بعض سندوں سے یہ حدیث مفصل مروی ہے۔ اس میں ہے کہ بیٹے کی شکایت پر آپؐ نے اس کے باپ کو بلوا بھیجا۔ وہ حاضر ہوا تو آپؐ نے اس کے سامنے بیٹے کی شکایت بیان کی۔ اس پر اس نے رو رو کر اپنا دکھڑا سنایا کہ جب وہ جوان اور اس کا بیٹا بچہ تھا تو اس نے اسے پال پوس کر بڑا کیا، اس کے لیے مشقتیں جھیلیں، اس پر اپنی کمائی خرچ کی، کیا اب اسے اتنا بھی حق نہیں کہ اس کی کمائی میں سے اپنی ضرورت بھر کا مال لے لے۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کی گفتگو سن کر آں حضرت ﷺ بھی آب دیدہ ہو گئے۔[۳۶]

ایک دوسری حدیث ام المومنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ ان سے کسی نے دریافت کیا: میری کفالت میں ایک بچہ ہے، کیا میرے لیے اس کے مال میں سے کھانا جائز ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے:

ان من اطیب ما اکل الرجل من کسبه، وولده من کسبه۔[۳۷]

آدمی کا سب سے پاکیزہ کھانا وہ ہے جو وہ اپنی کمائی میں سے کھائے اور اس کی اولاد بھی اس کی کمائی میں سے ہے۔

علامہ شوکانیؒ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اپنے بیٹے کے مال میں شریک ہے۔ اس کے لیے اس میں سے لینا جائز ہے، چاہے بیٹا اجازت دے یا نہ دے اور اس کے لیے اس میں اسی طرح تصرّف کرنا جائز ہے جیسے وہ اپنے مال میں کرتا ہے۔ البتہ ضروری ہے کہ وہ اس میں سے بس بہ قدر ضرورت خرچ کرے، بے دردی سے نہ اڑائے''۔[۳۸]

والدین کے ساتھ کچھ وقت گزارا جائے

والدین کے معاملہ میں صرف یہی کافی نہیں ہے کہ ان کی معاشی ضروریات کی تکمیل کر دی جائے اور ان کے مادی تقاضے پورے کر دیے جائیں۔ یوں بھی عمر رسیدہ افراد کی مالی اور مادی ضروریات بہت محدود ہو جاتی ہیں۔ ان کی تو بس یہ خواہش ہوتی ہے کہ کوئی ان کے پاس کچھ وقت گزارے، ان سے باتیں کرے اور ان کی باتیں سنے، ان سے ہمدردی، اپنائیت اور

© rasailojaraid.com

محبت کا اظہار کرے، ان کی تکلیفوں کا ازالہ کرے اور انھیں آرام پہنچائے۔ اسلام کی مجموعی تعلیمات سے اس پہلو پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

اوپر سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۲۳ کا حوالہ آچکا ہے (إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلاَهُمَا ......) اس میں لفظ 'عِندَكَ' (تمھارے پاس) سے اشارہ ملتا ہے کہ آدمی کو ایسی تدبیر اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، جس سے اس کے والدین اس کے پاس رہیں یا وہ خود ان کے پاس کچھ وقت گزارے۔

اسلامی تعلیمات کے اثرات

والدین کے بارے میں اسلام کی انہی تعلیمات کا اثر تھا کہ اسلامی تاریخ کے کسی دور میں مسلم معاشرہ میں والدین کے حقوق سے غفلت اور بے اعتنائی نہیں برتی گئی اور مسلم حکم رانی کے کسی دور میں کسی ملک میں بوڑھوں کے عافیت کدے قائم کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی۔ موجودہ زمانے میں بھی عمر رسیدہ افراد کی حالتِ زار کی جو صورت حال عالمی اور ملکی دونوں سطحوں پر نظر آتی ہے اس میں مسلمانوں کا تناسب بہت معمولی ہے۔

ہندوستان میں اولڈ ایج ہومس کے ایک سروے کے مطابق ۱۹۹۵ء میں ہندوستان میں ۵۲۹ ہومس تھے، ان میں سے صرف ایک، کیرلا کے ضلع کوزی کوڈ میں، مسلمانوں کے زیر انتظام تھا، جب کہ ۲۱۶ کا نظم مسیحی ایجنسیاں کر رہی تھیں، جن میں سے ۸۲ صرف کیرلا میں تھے۔ اُس زمانے میں کیرلا میں کل اولڈ ایج ہومس کی تعداد ۱۰۲ تھی۔ اس سروے میں ۳۰۱۵/ افراد کو شامل کیا تھا۔ ان میں مسلمانوں کی تعداد صرف ۲۶ (۱۱ مرد، ۱۵ عورتیں) تھی۔

اسلام اولڈ ایج ہومس کے قیام کا مخالف نہیں ہے

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلام اولڈ ایج ہومس کا مخالف ہے اور وہ خدمتِ خلق کے اس کام کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ بسا اوقات ایسے حالات پیش آسکتے ہیں کہ کوئی مرد یا عورت بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائے اور وہ بے سہارا ہو۔ لاولد ہونے کی وجہ سے کوئی اس کی کفالت اور خبر گیری کرنے والا نہ ہو، یا اس کی اولاد ہو مگر اس سے الگ کہیں دوٗر رہتی ہو، یا اس کے پاس ہی ہو،

مگر اپنی نالائقی کی وجہ سے اس کی صحیح دیکھ بھال نہ کرتی ہو، وغیرہ۔ ایسے لاچار، مجبور اور بے سہارا مردوں اور عورتوں کی خبر گیری کرنا، ان کے کام آنا اور ان کے لیے رفاہی ادارے قائم کرنا اسلام کے نزدیک مطلوب اور اس کی نظر میں پسندیدہ ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

خیر الناس انفعھم للناس۔ [۳۹] لوگوں میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جس سے دوسرے انسانوں کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچے۔

حواشی و مراجع

۱. زمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل، طبع مصر ۱۹۷۲ء، ۲/۴۴۴
۲. قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب مصر، ۱۹۸۷ء، ۱۰/ ۲۳۷
۳. رازی، مفاتیح الغیب المعروف بالتفسیر الکبیر، ۱۰/۱۵۱-۱۵۲؛ ابن حیان، البحر المحیط
۴. تفسیر ابن کثیر، ۱۰/۱۵۲-۱۵۳
۵. صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب من احقّ الناس بحسن الصحبۃ، ۵۹۷۱، صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، ۱-۳
۶. صحیح بخاری، کتاب الجھاد، باب الجھاد باذن الابوین، ۳۰۰۴، ۵۹۷۲؛ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، ۵، ۶
۷. صحیح مسلم، ۲۵۴۹
۸. صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، ۹، ۱۰
۹. بخاری، الادب المفرد، باب من ادرک ابویہ فلم یدخل الجنۃ، ۱۰
۱۰. تفسیر قرطبی، ۱۰/۲۴۱
۱۱. کشاف، ۲/۴۴۴
۱۲. کشاف، حوالہ سابق
۱۳. کشاف، حوالہ سابق، ('افّ' صوت یدلّ علی تضجّر) امام قرطبی نے ابورجاء العطاردی کی یہ تشریح نقل کی ہے: الافّ الکلام القذع الردی الخفی، ویقال لکل ما یضجر ویستثقل (تفسیر قرطبی، ۱۰/۲۴۳)
۱۴. تفسیر کبیر، ۱۰/۱۵۴
۱۵. تفسیر کبیر، ۱۰/ ۱۵۵
۱۶. کشاف، ۲/۴۴۴
۱۷. تفسیر کبیر، ۱۰/ ۱۵۵

© rasailojaraid.com

۱۸۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، ۴۴، ۴۵
۱۹۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۳/ ۱۳۵۸
۲۰۔ تفسیر قرطبی، ۱۰/ ۲۴۳
۲۱۔ تفسیر قرطبی، ۱۰/ ۲۴۳-۲۴۴
۲۲۔ تفسیر کبیر، ۱۰/ ۱۵۶؛ البحر المحیط، ۶/ ۳۴
۲۳۔ تفسیر قرطبی، ۱۰/ ۲۴۴
۲۴۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب الصبر علی البلاء، ۴۰۳۴
۲۵۔ سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، باب المنّان بما اعطی، ۲۵۶۲۔ اس کی روایت بزار، حاکم اور ابن حبان نے بھی کی ہے۔ علامہ البانی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔
۲۶۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب عقوق الوالدین من الکبائر، ۲۶۵۴، صحیح مسلم، کتاب الایمان، ۱۴۳
۲۷۔ یہی مضمون العنکبوت: ۸ میں بھی وارد ہوا ہے۔
۲۸۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، ۴۳، ۴۴
۲۹۔ تفسیر قرطبی، ۱۴/ ۶۵
۳۰۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۲/ ۹۴۶ بہ حوالہ بزار۔ علامہ البانی نے اسے حسن لغیرہ قرار دیا ہے۔
۳۱۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی الرجل یغزو وابواہ کارھان، سنن النسائی، ۳۱۶۳، سنن ابن ماجۃ، ۲۷۸۲
۳۲۔ بخاری، الادب المفرد، باب بکاء الوالدین، ۳۱
۳۳۔ مسند احمد
۳۴۔ سنن ابن ماجۃ، کتاب التجارات، باب ما للرجل من مال ولدہ، ۲۲۹۱
۳۵۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی الرجل یاکل من مال ولدہ، ۳۵۳۰؛ سنن نسائی، ۴۴۵۰؛ سنن ابن ماجۃ، ۲۲۹۲
۳۶۔ تفسیر قرطبی
۳۷۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب الرجل یاکل من مال ولدہ، ۳۵۲۸، سنن النسائی، ۴۴۴۹، سنن ابن ماجۃ، ۲۲۹۰
۳۸۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۵/ ۳۹۱
۳۹۔ عبدالرؤف المناوی، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، ۳/ ۴۸۱

☆☆☆

© rasailojaraid.com